بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدائے عشق

صدائے عشق

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن

ماوراپبلشرز 60 شاہراہِ قائداعظم لاہور

03004020955

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

ضابطہ

اشاعتِ دوم : 2023

اشاعتِ اوّل : 2021

ناشر : ماوراپبلشرز، لاہور

کمپوزنگ : طارق محمود (0334-9890211)

طابع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

قیمت : 000/- روپے

خوبصورت کتب کی اشاعت کے لیے رابطہ

MAVRA BOOKS

60-The Mall, Lahore.

خالد شریف

Mob: 0300-4020955

e-mail: **mavrabooks@yahoo.com**

انتساب

میری امی محترمہ گوہر سلطانہ

کے نام

جن کا پیار اور دعائیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں

ترتیب

☆ پیش لفظ — ڈاکٹر حبیب الرحمٰن — ۱۱

غزلیں

۱۔ کسی کو شاعر بنا دیا تو کسی کو مجنوں — ۱۳
۲۔ شمع کو گل کر دو سرِ شام ہی — ۱۵
۳۔ ہوں میں حیراں آئینہ کی قوتِ دیدار پر — ۱۷
۴۔ کریں پُرسش در و دیوار ہر بار — ۱۹
۵۔ مکھڑا اک گلاب سا چہرہ اک کتاب سا — ۲۱
۶۔ آپ سے رخصت ہوئے پردہ نشیں ہو گئے — ۲۳
۷۔ پھر خزاں بیت گئی رُت میں تراوت آئی — ۲۵
۸۔ جو چیرا مرا دل تو مضروب نکلا — ۲۷
۹۔ آپ سے جب تعلقات نہیں — ۲۹
۱۰۔ غمِ ہجر حد سے سوا ہو گیا — ۳۱
۱۱۔ قدموں تلے اپنے کیوں پھولوں کو مسلتے ہو — ۳۳
۱۲۔ پوچھو تو قافلے سے یوسف کے دام لوگو — ۳۵
۱۳۔ مدّت سے انتظار کیے جا رہا ہوں مَیں — ۳۷
۱۴۔ پہلا پہلا عشق تھا دل میں اضطراب تھا — ۳۹
۱۵۔ کر دیا ایک نظر نے ہی مجھے خود سے جدا — ۴۱
۱۶۔ وہی ہوئے ہیں اجنبی تھا ناز جن کے پیار پر — ۴۳
۱۷۔ زندگی کی آخری ایک شام رہ گئی — ۴۵
۱۸۔ جو غم دیا سِوا دیا تو درد بے دوا دیا — ۴۷
۱۹۔ جو چہرے سے اُٹھا نقاب رُخ گلاب ہو گیا — ۴۹
۲۰۔ کر کے محبت تقصیر کر دی — ۵۱
۲۱۔ کہو تو چھوڑ دیں فریاد کرنا — ۵۳
۲۲۔ کب کسی کے کہنے پر کوئی رکا ہے کبھی — ۵۵
۲۳۔ یاد نے پھر آج ستایا بہت — ۵۷
۲۴۔ چند روز کا فراق پھر مئے دوام ہے — ۵۹
۲۵۔ میں پیار کے سفر میں کہیں بھی رُکا نہیں — ۶۱
۲۶۔ لگتا نہیں کہیں بھی مرا دل ترے بِنا — ۶۳
۲۷۔ ''یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے'' — ۶۵
۲۸۔ ذکرِ محبوب جو محفل میں بیاں ہو جائے — ۶۷
۲۹۔ جو زخم ہی ملنے تھے ناخن بھی دیے ہوتے — ۶۹
۳۰۔ ہے وہی زاہد کبھی الحاد جو کرتا نہیں — ۷۱
۳۱۔ ہاتھ میں ہاتھ چلے تھے کبھی ان راہوں پر — ۷۳
۳۲۔ حافظہ چھین لے دیوانہ بنا دے مجھ کو — ۷۵
۳۳۔ چشمِ سیاہ سے جو پی اُس کا خمار اب بھی ہے — ۷۷
۳۴۔ ہم آتشِ احساس کو دہکائے ہوئے ہیں — ۷۹

۳۵۔ ہے کوئی قصد نہیں یاد میں رونے کا ابھی ۸۱
۳۶۔ مجھ کو وہ اپنی ہستی سے بیگانہ کر گئی ۸۳
۳۷۔ ہے آسماں اب بھی وہی پھر پہلے سی رفعت کہاں ۸۵
۳۸۔ وہ چھوڑ کے چلے گئے ہم کو سراب میں ۸۷
۳۹۔ اُڑ جائے گا جب پنچھی تو یاد ستائے گی ۸۹
۴۰۔ جام لیے ہاتھ میں عشق میں بسمل ہوئے ۹۱
۴۱۔ دل نہیں دینا انہیں توڑ دیا کرتے ہیں ۹۳
۴۲۔ ہوئے آگاہ جب وہ مفلسی سے ۹۵
۴۳۔ قسم لے لو نہ کوئی اور آرزو کرتے ۹۷
۴۴۔ یوں تو دل کا معاملہ نہ کریں ۹۹
۴۵۔ ہُوا جو خشک ایک زخم کِھل اُٹھے ہزار اور ۱۰۱
۴۶۔ اُس کے ملنے سے طبیعت تو بہل جائے گی ۱۰۳
۴۷۔ درمیاں دوستوں کے فردرہا ۱۰۵
۴۸۔ دیکھ کہ آ رہا ہے وہ اِک شبِ غم گزار کے ۱۰۷
۴۹۔ دید کی حسرت بھی ہے خواہشِ آغوش بھی ۱۰۹
۵۰۔ پھر پھول کھل اُٹھیں گے بنجر سی وادیوں کے ۱۱۱
۵۱۔ ہے گلاب سی رنگت اقتضا نزاکت کا ۱۱۳
۵۲۔ حسنِ بے نیازی کی دلکشی تو دیکھیے ۱۱۵
۵۳۔ اُس کو دیکھا پیار کرنا کتنا آساں ہو گیا ۱۱۷
۵۴۔ زیست ہے بے وفا مگر حسن پہ اپنے ناز ہے ۱۱۹
۵۵۔ جن کے آزار سے ہم تارکِ استھان ہوئے ۱۲۱
۵۶۔ جھانکو تو زندگی کی انگڑائیوں کے پیچھے ۱۲۳
۵۷۔ ہاتھوں کی لکیروں میں اِک نام لکھا ہوتا ۱۲۵
۵۸۔ حال نہ پوچھ کچھ مرا حال نہیں سنانے کا ۱۲۷
۵۹۔ گر بہار آئی نہیں سوزِ تمنا ہی سہی ۱۲۹
۶۰۔ بے سبب چھیڑ نہ دیوانے کو ۱۳۱
۶۱۔ ایک لڑکی پاگل سی بدحواس رہتی ہے ۱۳۳
۶۲۔ بے نیازی دیکھتا ہوں بے قراری کیا ہوئی ۱۳۵
۶۳۔ دیکھ کافر کے لیے ماننا آسان ہُوا ۱۳۷
۶۴۔ باسی بہار کے تھے خزاؤں میں جل گئے ۱۳۹
۶۵۔ اپنے پیچھے وہ خزاں چھوڑ گیا ۱۴۱
۶۶۔ گھر وہ میرا مسکن تھا راہ رو بے منزل ہوں ۱۴۳
۶۷۔ غرورِ حسن ہو کیوں جب یہ لازوال نہیں ۱۴۵
۶۸۔ وہ شفق کی دلکشی رخسار میں ۱۴۷
۶۹۔ یاد آؤں گا بہت جانے کے بعد ۱۴۹
۷۰۔ یار کے بن جینا آساں تو نہیں ۱۵۱
۷۱۔ گُل چمن کے ہو گئے میرے رقیب ۱۵۳
۷۲۔ بچپن گزر گیا ہے جوانی بھی ڈھل گئی ۱۵۵
۷۳۔ یوں ہی نہ جانے کیوں پھر دل پر غبار آیا ۱۵۷

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے شاعری کا دوسرا مجموعہ شائع کرنے کی توفیق دی۔ اُس کے جس قدر افضال دیکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور اتنا ہی شکر سے سر اُس کے حضور جھک جاتا ہے۔ میرے والد محترم فضل الرحمٰن کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ اُن کا بیٹا ڈاکٹر بنے۔ اپنے اس خواب کی تعبیر تو انہوں نے اپنی زندگی میں دیکھ لی لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اُن کا کردار جتنا اہم میرے ڈاکٹر بننے میں تھا اس سے کہیں زیادہ میرے شاعر بننے میں تھا گو کہ نادانستہ طور پر۔ یہ اُن کی جدائی کا صدمہ ہی تو تھا جس کے نتیجے میں میری یہ چھپی ہوئی استعداد سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے۔

اللہ تعالیٰ کی کائنات جو اُس کی تخلیق کا شاہکار ہے نہایت ہی خوبصورت ہے۔ اس کے پیچھے اس کی صفتِ خالقیت کے ساتھ ساتھ اس کے مصور ہونے کی صفت بھی کارفرما ہے۔ یہ پہاڑ اور دریا، جنگل اور بیابان، سمندر اور صحرا، رنگ و پھول، چرند و پرند سب اس کائنات کے حسن میں اضافہ کر رہے ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت کا اظہار کیا ہے وہاں اپنی مخلوق میں بھی تخلیق کی صفت ودیعت کر دی۔ اسی صفت سے انسان نے فائدہ اٹھا کر عظیم الشان تخلیقات کیں جن میں سائنسی

ایجادات بھی شامل ہیں جنہوں نے انسانی زندگی آسان کر دی اور جمالیاتی کمالات بھی شامل ہیں جن سے زندگی کے حسن میں اضافہ ہوا۔ ان میں مصوری، مجسمہ سازی، تصویر کشی، زبان و ادب، موسیقی اور رقص وغیرہ شامل ہیں۔ انسان کی یہ تخلیقات نہ صرف انسانی زندگی کو خوبصورت کرتی ہیں بلکہ جمالیاتی اور تہذیبی ارتقا کے لیے بھی نہایت ضروری ہیں۔ یہ مجموعہ اسی سلسلے کی ایک حقیر کوشش ہے۔

میں اس لحاظ سے بھی خوش قسمت رہا کہ مجھے خالد شریف صاحب جیسے بڑے شاعر کی اصلاح ملی۔ میں نے اُن کے علم اور تجربے سے بے حد فائدہ اُٹھایا۔ میں اُن کے خلوص، محنت اور توجہ کا ہمیشہ شکر گزار بھی اور طالب بھی رہوں گا۔

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن

کینیڈا

☆☆☆

○

کسی کو شاعر بنا دیا تو کسی کو مجنوں
ترے تغافل سے ایک عالم ہوا ہے محزوں

عصائے موسیٰ کا ذکر ہے ہر زباں پہ لیکن
ہوئی ہے مخلوق رمزِ مژگاں سے ہی یاں مفتوں

کئی زمانوں کے بعد چٹھی اگر ملی تو
سمجھ گیا دیکھ کر لفافہ ہی خط کا مضموں

مجھے ستاتے ہیں بے سبب خواب میں وہ ہر شب
ہے رات ایسی نہیں کوئی جب پڑے نہ شبخوں

ہوا تجھے اے بشر کبھی کیوں نہ درد اس کا
زمین پر دیکھتی ہے جو ظلم چشمِ گردوں

گرے سمندر میں اشک تو دیکھتا ہے سالکؔ
کہ کچھ ہی قطروں نے کر دیا رنگ اس کا گلگوں

شمع کو گل کر دو سرِشام ہی
اب کھڑی ہے موت لبِ بام ہی

غرق کیا کشتی کو طوفان نے
جب تھا کنارہ ابھی دو بام ہی

درد بھلا دوں ذرا سی دیر کو
کاش کہ ایسا ہو کوئی جام ہی

آس میں جی لیتے ذرا اور بھی
ہوتی جو اُمید اگر خام ہی

پیار کی قیمت جو چکانے لگے
میں نے کہا آپ کہیں دام ہی

○

ہوں میں حیراں آئینہ کی قوتِ دیدار پر
چاہیے تھا ہو شکستہ حسن کی یلغار پر

پنکھڑی جو پھول کی شبنم کے قطرے سے سجی
دیکھ کر مجھ کو لگا آنسو گلِ رخسار پر

بعد مرنے کے مرے وہ چشم پرنم ہوگئی
جب پڑی اُس کی نظر اِک خوں چکاں تلوار پر

مارنے میں ہچکچایا میرا قاتل پھر مگر
سر ہوا تن سے جدا اُس کے بہت اصرار پر

سانس چلتی ہے مری رمز و کنایہ سے پرے
دل دھڑکتا ہے مرا پازیب کی جھنکار پر

گھر گیا تو کچھ نہیں تھا بے ثباتی کے سوا
آنکھ بھر آئی اُداسیِ در و دیوار پر

آئے تھے احباب کی جانب سے سالکؔ سنگ کچھ
پوچھنے پر دھر دیا الزام سب اغیار پر

○

کریں پُرسش در و دیوار ہر بار
اسے یہ راہ لینا کیوں ہے دشوار

میں بھی تھک جاؤں گا اِک روز آخر
لڑوں گا کب تلک جیون کی پیکار

تھے وہ اجداد ہی جن کے لیے کل
ہوئی تھی آتشِ نمرود گلزار

رہی پروا نہ مرنے کی مجھے پھر
ہوئی جب رنج و غم کی ایک یلغار

بہت گرداب ہیں اس راستے میں
شکستہ ہیں مگر ناؤ کے پتوار

ہوا بیزار سالکؔ زیست سے جب
تو لڑنے کو چلا بے تیر و تلوار

مکھڑا اک گلاب سا چہرہ اک کتاب سا
ہے نہ ہو گا بس کوئی آپ سا جناب سا

ہے گلہ یہی ہمیں ہم سے منہ چھپا لیا
اوروں سے بے پردگی ہم سے اِک حجاب سا

دید کی رہی نہ آس تو لی راہ دشت کی
ہو فریبِ چشم ہی چہرہ اک سراب سا

کس کو ہے دوام یاں ، کس کو ہے قیام یاں
زیست بس یہی تو ہے بلبلہ حباب سا

محفلِ سرود میں گا رہا ہے راگ کون
چاندنی کھِلی ہوئی ساز اِک رباب سا

صحنِ دل نکھر گیا بارشوں سے اشک کی
دھند سی وہ چار سُو اک سماں سحاب سا

ماہ و سال کیا ہوئے ، دن کہاں وہ گم ہوئے
وقت جو گزر گیا لگ رہا ہے خواب سا

○

آپ سے رخصت ہوئے پردہ نشیں ہو گئے
دور کسی دیس میں جا کے مکیں ہو گئے

شب کو پڑی اوس تو پھول نکھر ہی گئے
اشک گرے گال پر اور حسیں ہو گئے

ان کو کہاں ڈھونڈو گے اس بڑی دنیا میں تم
جن سے ہمیں پیار تھا گم وہ کہیں ہو گئے

زیست ہوئی بےمزا یار بنا دوستو
چھوڑ کے دنیا کو ہم گوشہ گزیں ہو گئے

ناز بہت تھا مگر سامنے جب وہ ہوئے
عشوہ گری دیکھ کر ہوش وہیں کھو گئے

تھا کبھی سالکؔ جواں زور تھا جذبات کا
شیب میں یہ عقل کے زیرِ نگیں ہو گئے

پھر خزاں بیت گئی رُت میں تراوت آئی
پر نہ قسمت میں مری تیری رفاقت آئی

ہم کو عادت نہ پڑی تیرے بِنا جینے کی
زندگی مجھ پہ بھلا کیوں یہ شقاوت آئی

دل کے خوش کرنے کو کافی ہے تصوّر اُن کا
دیکھو چہرے پہ مراقب کے صباحت آئی

اب تو وہ خواب میں آنے سے بھی کتراتے ہیں
درمیاں کیسی ہمارے یہ تفاوت آئی

پہلے فرصت ہی نہیں تھی غمِ جاں سے ہمیں
تھم گیا وقت تو کیسی یہ فراغت آئی

منّتیں کرتے رہے خواب میں آنے کی ہم
کام لیکن نہ کوئی میری لجاجت آئی

منتظر ہی رہا سالکؔ کہ خبر کچھ آئے
نہ ہی پیغامِ زبانی نہ عبارت آئی

○

جو چیرا مرا دل تو مضروب نکلا
ہوئے دلرُبا وہ میں معتوب نکلا

کی بوجھل سی پلکوں کی تفتیش ہم نے
تو مژگاں نشیں میرا محبوب نکلا

کیا ننگِ خلقت گماں جس کو ہم نے
وہی سورماؤں کا یعسوب نکلا

ہمیشہ سمجھتا رہا خود کو دانا
مگر یہ گماں میرا معیوب نکلا

مرا رازداں تھا کہ ہاتھوں میں جس کے
بھری بزم میں میرا مکتوب نکلا

چھپاتے رہے اشک احباب سے ہم
یہ نینوں کا موسم بھی مرطوب نکلا

گلی در گلی ڈھونڈتے تھے جسے ہم
وہ پردے میں دل کے ہی محجوب نکلا

تھی جو جمع پونجی وہ نکلی بہت کم
کہ سالکؔ قیامت کو معتوب نکلا

○

آپ سے جب تعلقات نہیں
تو ہوں کیوں پھر تکلفات نہیں

رہ نہ سکتے تھے آپ جس کے بِنا
آج کیوں اُس پہ التفات نہیں

کیوں ہوں مایوس جب سیانے سبھی
کہتے ہیں پیار بے ثبات نہیں

رات پھر کروٹیں بدلتے کٹی
آتی ہے نیند چاند رات نہیں

وصل ہی جب نہ ہو میسّر تو
کیسے ہوں رنجِ خواہشات نہیں

پھر ملاقات اُس سے ہو سالکؔ
اس کی لیکن کوئی بِرات نہیں

○

غمِ ہجر حد سے سوا ہو گیا
مرے سب غموں کی دوا ہو گیا

مجھے دیکھ کر مسکرا جب دیے
لگا مجھ کو نالہ رسا ہو گیا

سنا جب طبیعت کی ناسازی کا
مرا ذرّہ ذرّہ دعا ہو گیا

کہ اُن پر نظر ایک پڑ جائے گی
میں اُن کی گلی کا گدا ہو گیا

سنی بے وفائی جو معشوق کی
تو ہرجائی کہنا روا ہو گیا

تُو مائل انہیں کر سکا ہی نہیں
کہ ہر تیر تیرا خطا ہو گیا

جو سالکؔ کا پوچھیں تو کہنا انہیں
قفس سے بدن کے رہا ہو گیا

قدموں تلے اپنے کیوں پھولوں کو مسلتے ہو
موسم کے بدلتے ہی کیوں رنگ بدلتے ہو

ہوگی نہ قیامت گر تم حال بتا دو گے
اظہارِ محبت میں بے وجہ جھجکتے ہو

مدّت سے غمِ فرقت کھائے ہے تمھیں ہر دم
خو شمع کی لے کر تم ہر شام پگھلتے ہو

یہ زیست گزر جاتی ہوتا جو سہارا اِک
یوں چلتے میں گرتے ہو گر گر کے سنبھلتے ہو

گم گشتہ سے لگتے ہو خاموش سے رہتے ہو
کیا سوچتے رہتے ہو جب تنہا ٹہلتے ہو

اِک بار بدن میں روح گر قید ہو جائے تو
پھر زیست کے زنداں سے مر کے ہی نکلتے ہو

اچھی تو نہیں سالکؔ خُو ضد کی تمہاری یہ
جو چیز نہیں ملنی اُس کو ہی مچلتے ہو

○

پوچھو تو قافلے سے یوسف کے دام لوگو
پریوں سے چھپ کے لیکن کرنا کلام لوگو

حیران ہو رہے ہیں سب لوگ بزم میں آج
کب میرے پاس آیا محفل میں جام لوگو

ہر صبح سوچتا ہوں گزرے گا دن یہ کیسے
ہے سوگوار میری ہر ایک شام لوگو

تم بھی چلے ہی آنا مقتل کو آج یارو
نظارے کی ہو دعوت جب بارِعام لوگو

کس کو وہ ڈھونڈتا ہے پوچھو رقیب سے تو
پھرتا ہے تیغ لے کر کیوں بے نیام لوگو

بے زار ہو گیا ہوں اس زندگی سے یارو
تھوڑا ہے اس جہاں میں اپنا قیام لوگو

جس شہر کو چلے ہو رہتا ہے شخص واں اِک
سالکؔ کا جا کے دینا اس کو سلام لوگو

○

مدّت سے انتظار کیے جا رہا ہوں مَیں
وعدے پہ انحصار کیے جا رہا ہوں مَیں

پُوجا کی اُن کی اتنی کہ لگتا ہے اب مجھے
خود کو گناہ گار کیے جا رہا ہوں مَیں

پابند ہے زبان تو آنکھوں کا کیا کروں
اِک راز آشکار کیے جا رہا ہوں مَیں

اِک بے وفا سے بھی مَیں رہا با وفا سدا
اِک جرم باربار کیے جا رہا ہوں مَیں

تم کو جو زندگی کی تمنّا ہو تو سنو
یہ زندگی اُدھار کیے جا رہا ہوں مَیں

اِک بے وفا کی یاد ستائی ہے آج پھر
آنکھوں کو آبشار کیے جا رہا ہوں مَیں

پھر آبلوں کا لطف اُٹھانے کے واسطے
راہوں کو خاردار کیے جا رہا ہوں مَیں

○

پہلا پہلا عشق تھا دل میں اضطراب تھا
حالِ دل بھی کہنا تھا آنکھ میں حجاب تھا

میں نے جس کو دل دیا جانتے ہو کون تھا
نام تو پتا نہیں بے وفا خطاب تھا

ایک شخص کے لیے زیست کو لٹا دیا
آنکھ وہ شراب تھی چہرہ وہ گلاب تھا

جانتا تھا اِک جہاں میرے دل کا حال پر
وہ نہ اُس کو پڑھ سکا جو کھلی کتاب تھا

اِک زمانہ ہو چلا یار سے ملا نہیں
اب یہی لگے مجھے دیکھا جو وہ خواب تھا

اِک سہانی شام تھی ایک چاند رات تھی
جانے وہ کہاں ہے جو میرا ہمرکاب تھا

بھول جو گیا تجھے تُو بھی بھول جا اسے
عاشقی کا یہ سفر جھوٹ تھا سراب تھا

○

کر دیا ایک نظر نے ہی مجھے خود سے جدا
چشمِ ساقی نے پِلا دی وہ مئے ہوش ربا

موسمِ ہجر میں ویرانی ٹپکتی ہو جہاں
کیوں کھلیں پھول یہاں کیوں ہو کوئی نغمہ سرا

نہیں نالوں کی پہنچ بابِ رسا تک پھر بھی
مانگتا ہوں میں تجھے جب بھی اُٹھے دستِ دعا

زلف بے باک تری آنکھ شرارت سے بھری
کیوں نہ مر جائے کوئی دیکھ کے یہ ناز و ادا

حکمِ گردن زنی پر مجھ کو شکایت تو نہیں
اِس کی اُمیّد مگر تم سے نہ تھی اہلِ وفا

ہے گماں میرا خبر بھیجی ہے اُس نے سالکؔ
راستہ بھول گئی ہوگی کہیں بادِ صبا

○

وہی ہوئے ہیں اجنبی تھا ناز جن کے پیار پر
ارے یہ کیا ستم ہوا مرے دلِ فگار پر

جگر کا حال پوچھتے ہوں جب چمن کے خار ہی
بہیں گے اشک کیوں نہیں پھر آمدِ بہار پر

نہیں ہے اعتبار عہدِ جاں فشانی پر مجھے
ہوا مَیں غرق جب اُٹھا نہیں کوئی پُکار پر

بلانے کا کیا جو قصد کر دیا بہانہ اِک
وہ آئے ہیں چڑھانے پھول اب مرے مزار پر

تھا انتظار جس گھڑی کا وقت آ گیا وہ اب
کہ سانس لے رہا ہوں جو لی تھی کبھی اُدھار پر

وہ پیار کا ہی شعلہ تھا جو راکھ کر گیا مجھے
مگر چلا ہے کس کا زور پیار کے شرار پر

صنم کی بےوفائی نے کیا نہ مجھ پہ کچھ اثر
بنا کے مورتی سی اک سجائے گل نگار پر

○

زندگی کی آخری ایک شام رہ گئی
آرزوئے وصلِ یار ناتمام رہ گئی

چشمِ بےقرار کو ہم نے تو بہت کہا
آرزوئے دید پر بےلگام رہ گئی

وہ گئے تو یوں لگا شہر خالی ہو گیا
میرے گھر میں ماند سی ایک شام رہ گئی

اسپ اور شتر کے ہم شہ سوار تھے کبھی
اب تو ہاتھ میں مرے بس زِمام رہ گئی

رہگزارِ زیست میں جا رہے تھے ساتھ ساتھ
راہ میں کہیں مگر خوش خرام رہ گئی

بزمِ یار میں بتا جا کے تُو کرے گا کیا
جبکہ منزلِ حیات ایک گام رہ گئی

جو غم دیا سِوا دیا تو دردِ بے دوا دیا
اے زندگی بتا ذرا مجھے یہ تُونے کیا دیا

یہ کیا عجیب کھیل تھا ہمیں جو کھیلنا پڑا
بھلا سکے نہ اُن کو جب تو خود کو ہی بھلا دیا

حیا تھی بات بات میں ، گریز تھا حیات میں
کہ اِک نگاہِ شوق نے نقابِ رُخ جلا دیا

دیا جو بے وفا کو دل ہُوا بہت ہی منفعل
کیا تقاضہ واپسی کا تو کہا گما دیا

چھلک پڑے یہ آنکھ گر تو درگزر کرو اسے
کہ درد جو ملا مجھے تو دل میں ہی چھپا دیا

○

جو چہرے سے اُٹھا نقاب رُخ گلاب ہو گیا
نظر سے پی رہا تھا جو وہ سب شراب ہو گیا

یہ زاہدوں کا شہر ہے یہاں مجھے سزا ہوئی
کہ مجھ سے جرمِ عاشقی کا ارتکاب ہوگیا

اسیرِ زلف تھا ہی مَیں کہ بال و پر بھی کٹ گئے
یوں میری رستگاری کا بھی سدِ باب ہو گیا

گما ہوا تھا دل مرا جسے میں ڈھونڈتا رہا
وہ اُن کے پاس سے ہی آج بازیاب ہو گیا

وفا کا جو سبق دیا تو بول چال بند کی
دلائی یاد وعدے کی تو لاجواب ہو گیا

سنی خبر کہ آئے تھے مکان پر مرے وہ کل
رقیبِ روسیاہ جل کے بس کباب ہو گیا

مجھے بتا کہ عشق نے تجھے بھلا دیا ہے کیا
سکون و چین دل کا بس خیال و خواب ہو گیا

○

کر کے محبت تقصیر کر دی
غم کی حکایت تحریر کر دی

تکتا تھا وہ راہ کب سے تمہاری
تم نے مگر پھر تاخیر کر دی

اِک بے وفا کی زلفِ گرہ گیر
پاؤں کی اپنے زنجیر کر دی

پوچھا کسی نے ہے زندگی کیا
تو سامنے اک تصویر کر دی

مجھ کو بلا کر رُسوا کیا پھر
لوگوں میں اِس کی تشہیر کر دی

وہ خواب میں آج آئے تو سالکؔ
خوابوں کی میری تعبیر کر دی

کہو تو چھوڑ دیں فریاد کرنا
نہ تم چھوڑو گے پر بیداد کرنا

ستمگر دل دکھانے میں ہے ماہر
اسے آتا ہے جی ناشاد کرنا

پڑا ہے دل مرا ویران کب سے
کوئی سوچے اسے آباد کرنا

پڑا ہے قیدِ تنہائی میں دل جو
یہیں رہنے دو کیا آزاد کرنا

بچو گے عشق سے اچھے رہو گے
کہ اِس کا کام ہے برباد کرنا

ہے درشن کے لیے بے حد ضروری
مجھے اب منتِ حداد کرنا

بتِ شیریں دہن کیا ڈھونڈیے اب
بجا ہے شکوۂ فرہاد کرنا

○

کب کسی کے کہنے پر کوئی رکا ہے کبھی
عالمِ فانی میں نِت کون جیا ہے کبھی

بند لگاتے ہو تم عشق کے جذبات پر
ریت سے سیلاب کا ریلا تھما ہے کبھی

تیرِ ادا آج پھر پھینک رہے ہو اِدھر
چاک گریباں ہی دیکھ پہلے لُٹا ہے کبھی

سرخ قبا اوڑھ کر آئے ہیں میّت پہ وہ
کون جنازے پہ یوں پہلے سجا ہے کبھی

تم کو بھلا کیا پتا کربِ سفر اے مکیں
جو کہ ہے منزل رسا وہ بھی تھکا ہے کبھی

تیرِ نظر پھینک کر پوچھتے ہیں حال پھر
پوچھیے فرہاد کا نام سنا ہے کبھی

عشق کے میدان میں جو بھی ہوا شہسوار
کوچۂ دلدار میں دیتا صدا ہے کبھی

○

یاد نے پھر آج ستایا بہت
آج مجھے اس نے رُلایا بہت

بھول نہ پایا میں کبھی بھی اسے
دل نے تو ہر چند بھلایا بہت

قتل ہوئے ناوکِ مژگاں سے ہم
گو دلِ تفتہ کو بچایا بہت

واپسی کی راہ کھلی رہ گئی
باایں ہمہ مجھ کو ستایا بہت

دید کی خواہش ہوئی کم تو نہیں
حسرتِ جلوہ کو دبایا بہت

آمدِ جاناں کی خبر جب سنی
راہ کو سالکؔ نے سجایا بہت

چند روز کا فراق پھر مئے دوام ہے
یارِ من کی دید کا آج اہتمام ہے

زیست تو سہل نہیں ، مرگ بھی دقیق ہے
پوچھتا میں عقل سے پر خرد بھی خام ہے

سوزِ انتظار اب ختم ہونے کو چلا
جاں کنی کا حال ہے جلد اختتام ہے

چاہتے تھے ان کے دل میں سدا مکیں رہیں
پر کہا کہ آپ کا عارضی قیام ہے

کھینچ تو لیا ہے ہاتھ اُس نے بے رُخی سے پر
دیر کر دی آنے میں زندگی کی شام ہے

زندگی کا یہ سفر کس قدر طویل تھا
آخری قرارگاہ صرف نیم گام ہے

میں پیار کے سفر میں کہیں بھی رُکا نہیں
تھا جھوٹ جب کہا تھا کبھی میں تھکا نہیں

پھر بزمِ حسن میں ہے قیامت کا اِک سماں
ہے کون سا لباس جو اُن پر سجا نہیں

ہم نے کیا تھا عشق تو اِک بار ہی مگر
اس مرض سے کبھی بھی ہوئی پھر شفا نہیں

کی جان تیرے نام دیے خواب سب تجھے
اک زیست تھی لٹا دی یہاں کچھ بچا نہیں

تجھ کو بھلا دیا تھا غمِ روزگار میں
سینے میں شعلہ پیار کا لیکن بجھا نہیں

کھائی ہے اب قسم کہ نہ آؤں گا پھر یہاں
اس شہرِ آرزو میں کوئی باوفا نہیں

○

لگتا نہیں کہیں بھی مرا دل ترے بِنا
ہے کس قدر اُداس یہ محفل ترے بِنا

پھر ڈوبنے لگا ہے مرا دل یہ سوچ کر
ہو جائے گی یہ زندگی مشکل ترے بِنا

تم راہ میں ہی چھوڑ کے بولے کہ تم چلو
لیکن بتا تو ہے کہاں منزل ترے بِنا

ہے وقتِ نزع بیٹھ ذرا دیر میرے پاس
دے گا کبھی نہ جان یہ بسمل ترے بِنا

مجھ کو نہیں خبر کوئی بھی اردگرد کی
ہر ایک شے سے ہو گیا غافل ترے بِنا

لوگوں کے اس ہجوم میں بھی بس یہی لگے
سنسان ہو گیا ہے یہ ساحل ترے بِنا

عادت سی پڑ گئی ہے اسے اِس قدر تری
سالکؔ بہشت میں نہ ہو داخل تِرے بِنا

''یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے''
آج پھر کس کا دل مچلتا ہے

اُس کو پروا نہیں کسی کی اب
کون جیتا ہے کون مرتا ہے

یادِ معشوق سے ہی تو لوگو
زخمِ دل پھولتا ہے پھلتا ہے

کیسے بھولوں وہ پیار کا نغمہ
کان میں اِک ہی ساز بجتا ہے

سب ہی تو جانتے ہیں مجنوں کو
پھر بھی جگ سارا مجھ پہ ہنستا ہے

میرا دل ہے خیال سے رکھنا
میرا محبوب اِس میں بستا ہے

رمز و عشوہ میں بات ہوتی ہے
میری ہر بات وہ سمجھتا ہے

خود سے بھی بدگمان لگتا ہے
جب بھی سالکؔ سے وہ بگڑتا ہے

ذکرِ محبوب جو محفل میں بیاں ہو جائے
دلِ مہجور میں وحشت کا سماں ہو جائے

آج اشکوں میں مِرے رنج بہا دو اپنے
بحرِ ذخاّر یہاں ایک رواں ہو جائے

چہرے کو اپنے چھپاتے ہیں نقابِ رخ سے
ڈر ہے ظاہر نہ کہیں عشقِ بتاں ہو جائے

باغ میں جاتے نہیں وہ کہ کہیں نرگس کو
اپنی نادیدنی کا ہی نہ گماں ہو جائے

سامنے سب کے نہ جھپکا کرو مژگاں یوں تم
ڈر ہے عاشق نہ کہیں سارا جہاں ہو جائے

حالِ دل جانتے ہیں سب ہی مگر وہ یاربّ
دے مجھے دل کہ مرا عشق عیاں ہو جائے

ایسا لمحہ ہو کہ میں آنکھوں میں آنکھیں ڈالوں
سامنے اُن کے مری آنکھ زباں ہو جائے

اس قدر درد سے لبریز ہے دل سالکؔ کا
گر چھلک جائے ذرا بھی تو خزاں ہو جائے

○

جو زخم ہی ملنے تھے ناخن بھی دیے ہوتے
تو ہم نے گریباں پھر کیوں چاک کیے ہوتے

رحمٰن سے پوچھوں گا مَیں روزِ قیامت یہ
کیا تیرا بگڑتا گر وہ میرے لیے ہوتے

اچھی ہی گزر جاتی دیکھا نہ انہیں ہوتا
اے کاش وہ اُس لمحے پردہ ہی کیے ہوتے

قسمت میں نہیں تھا یہ جو اُن سے ملن ہوتا
راہوں میں بھٹکتے ہم گر اور جیے ہوتے

جو زخم رہے خنداں ممکن تھا کہ بھر آتے
گر قبلِ بہاراں ہی ہم اُن کو سیے ہوتے

ہے وہی زاہد کبھی الحاد جو کرتا نہیں
اور کبھی مخلوق کو ناشاد وہ کرتا نہیں

آپ کے ظلم و ستم کو خامشی سے سہہ لے گا
قید میں پر منّتِ حدّاد وہ کرتا نہیں

شمع نے سکھلائے ہوں انداز جس کو جینے کے
جل کے مر جاتا ہے پر فریاد وہ کرتا نہیں

عاشقی کا درس یہ کس نے سکھایا ہے اسے
غرق ہو جائے گا خود برباد وہ کرتا نہیں

اک صنم زندانِ دل میں ہے زمانے سے پڑا
کہہ تو دیتا ہے اسے آزاد وہ کرتا نہیں

خوگرِ جور و جفا کو ظلم سہنا آ گیا
اب کبھی بھی شکوۂ بیداد وہ کرتا نہیں

ظلم کے انداز یہ کب سے پرانے ہو گئے
فائدہ کیا جب ستم ایجاد وہ کرتا نہیں

○

ہاتھ میں ہاتھ چلے تھے کبھی ان راہوں پر
ڈھونڈتا ہوں میں تمھیں ان ہی گزرگاہوں پر

سوچتے تھے کہ بنا پیار کے بھی جی لیں گے
پر کھڑے دیکھتے ہیں زیست کے دوراہوں پر

جب انہیں عشق کے معیار کا اِدراک ہُوا
سب ہی کچھ چھوڑ کے جا بیٹھے وہ درگاہوں پر

بے گناہی کا مری کرتے یقیں وہ کیسے
کان دھرتے رہے وہ غیر کی افواہوں پر

اے خدا اس رہِ پُرخار کو آساں کر دے
رحم کر اپنا ذرا عشق کے گمراہوں پر

○

حافظہ چھین لے دیوانہ بنا دے مجھ کو
بے خبر دہر سے مستانہ بنا دے مجھ کو

عشق میں جاں نثاری کا سلیقہ چاہوں
شمع روشن ہو تو پروانہ بنا دے مجھ کو

چاہتا ہوں کہ مجھے لوگ بھلا دیں بس اب
گمشدہ وقت کا افسانہ بنا دے مجھ کو

خواب دیکھے تھے ملن کے وہ ہوئے پورے نہیں
خواب سب توڑ کے ویرانہ بنا دے مجھ کو

کہتے ہیں غم کے بھلانے کو پیا کرتا ہوں
غم زدوں کے لیے میخانہ بنا دے مجھ کو

سیکھ لوں عشق و پرستش میں تفاوت یارب
دے جِلا عقل کو فرزانہ بنا دے مجھ کو

آج پھر بزم میں ہے گردشِ ساغر سالکؔ
چھُو لے لب اُن کے وہ پیمانہ بنا دے مجھ کو

○

چشمِ سیاہ سے جو پی اُس کا خمار اب بھی ہے
جان کسی کی جانِ جاں تجھ پہ نثار اب بھی ہے

ایک زمانہ ہو چلا اُس پہ نظر پڑی نہیں
ایک خفیف سی شبیہہ دل پہ نگار اب بھی ہے

شام کو بیٹھ کر جہاں پیار کی بات کرتے تھے
گوشہ وہ باغ کا مری جائے قرار اب بھی ہے

ہم نے تو کی سعی بہت ان کو بھلانے کی مگر
مجھ کو وہ پہلے عشق کا آتا بخار اب بھی ہے

ایک پرندہ جال میں قید ہوا تھا جو کبھی
دیکھ قفس کے گوشہ میں سینہ فگار اب بھی ہے

ہونے لگیں جو مندمل ان پہ چھڑکتا ہوں نمک
کھائے جو زخم عشق میں اُن پہ بہار اب بھی ہے

بھول گئے ہیں سب تجھے دل کو مگر برا نہ کر
دفن کیا تھا جس جگہ تیرا مزار اب بھی ہے

○

ہم آتش احساس کو دہکائے ہوئے ہیں
اِک درد ہے سینے میں جو دھڑکائے ہوئے ہیں

کچھ بادِ صبا نے کہا ہے کان میں اُن کے
کوئی تو سبب ہے کہ یوں شرمائے ہوئے ہیں

بیٹھی ہے عدالت یہاں عشق اور وفا کی
وہ فیصلے سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے ہیں

وعدہ جو کیا خواب میں آنے کا انہوں نے
ہم آنگنِ دل تب سے ہی مہکائے ہوئے ہیں

بے مہری گو عادت سہی اُن کی وہ کریں کیا
اِک نظرِ عنایت کے جو ترسائے ہوئے ہیں

لگتا ہے کہ اٹھنے کو ہیں اُس شوخ کی پلکیں
دیکھو تو چراغوں کو کہ گہنائے ہوئے ہیں

اب موت بھی آ جائے تو پروا نہیں سالکؔ
ہم سلسلۂ زیست کو نمٹائے ہوئے ہیں

ہے کوئی قصد نہیں یاد میں رونے کا ابھی
ہے کہاں وقت ہی دامن کے بھگونے کا ابھی

اُٹھ کے جاتے ہو کہاں کر کے جفا ٹھہرو ذرا
ایک نظارہ ہے اشکوں کے پرونے کا ابھی

نیند آ جاتی ہے کانٹوں کی چٹائی پہ مجھے
میں تو عادی نہیں پھولوں کے بچھونے کا ابھی

دردِ دل آج سوا ہے کہو ساقی سے ذرا
قصد ہے مے کدہ میں غم کو ڈبونے کا ابھی

درد آنکھوں سے ہو جاری یہ کہاں ممکن ہے
ہے سلیقہ اسے آنکھوں میں سمونے کا ابھی

راہِ پُرخار پہ پھر آبلہ پا ہے سالکؔ
دل طلب گار ہے کانٹوں کے چبھونے کا ابھی

مجھ کو وہ اپنی ہستی سے بیگانہ کر گئی
جادو بھری نگاہ سے دیوانہ کر گئی

رُخ سے اُٹھا نقاب جو تو کھِل گئی شفق
خود کو وہ شعلہ شہر کو پروانہ کر گئی

اُس اِک جفاشعار نے کی اس قدر جفا
لبریز میرے صبر کا پیمانہ کر گئی

چپکے سے دل میں گھر کیا اس نے کچھ اس طرح
آباد میرے سینے میں بت خانہ کر گئی

مستی بھری نگاہ کا چرچا ہے شہر میں
اس شہر کے مزاج کو مے خانہ کر گئی

عشوہ گری میں اُس کا مقابل کوئی نہیں
جاتے ہوئے بھی رمز وہ شاہانہ کر گئی

سالکؔ وہاں پہ جاکے بھلا تم کرو گے کیا
ویران اِک حسینہ جو کاشانہ کر گئی

○

ہے آسماں اب بھی وہی پر پہلے سی رفعت کہاں
جیتے تو ہیں پر زندگی میں پہلے سی لذّت کہاں

ہم بھی خدا سے مانگ لیتے کچھ سکوں کی ساعتیں
لیکن کسی سے مانگنے کی ہے ہمیں عادت کہاں

اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لیتے تم سے ہم
لیکن تمہاری برہمی نے دی ہمیں مہلت کہاں

یہ جان بھی قربان کر دیں کہہ کے دیکھو تو سہی
اس سے زیادہ پاس اپنے پیار کی قیمت کہاں

ہم کو غمِ فرقت دیا سوچا تو ہوتا کچھ ذرا
اتنا بڑا دکھ سہنے کی ہم میں بھلا طاقت کہاں

مانا کہ مل جائیں گے تم کو چاہنے والے بہت
لیکن ملے گی پھر تمہیں اِک وحشی کی چاہت کہاں

ہے آرزو بیٹھا رہے سالکؔ تمہاری چاہ میں
لیکن میسّر ہے اُسے اب اِس قدر فرصت کہاں

وہ چھوڑ کے چلے گئے ہم کو سراب میں
پوچھا کیے مگر نہ کہا کچھ جواب میں

معلوم ہے مجھے وہ نہ آئیں گے اب کبھی
گزرے گی زندگی مری ساری عذاب میں

پردہ نشین ہیں وہ فقط میرے ہی لیے
غیروں سے تو نہیں وہ چھپاتے نقاب میں

ذرہ ہے اک حقیر سا عالم میں آدمی
کیا ہے بساط قطرے کی بزمِ حباب میں

ہوں شبنمِ سحر کی طرح ایک بوند بس
گم ہو جو اک نگاہِ کرن سے سحاب میں

کچھ اور ہی مزا ہے نگاہوں سے پینے کا
پھر کیوں پیوں میں جام سے اُس کی جناب میں

پھر کہہ گیا ہے کچھ کہ نہ کہتا تو خوب تھا
پھر آ گیا ہے سالکِ کم گو عتاب میں

اُڑ جائے گا جب پنچھی تو یاد ستائے گی
پھر چین نہ آئے گا تو اشک بہائے گی

جو پیار کی چنگاری سینے میں جلائی تھی
وہ آتشِ افسردہ چھاتی کو جلائے گی

روپوش ہو جاؤں گا نظروں سے تمہاری میں
پالینے کی اک خواہش سینے میں سمائے گی

تاریک شبوں میں تم بے چین ہو جاؤ گی
ویران سی تنہائی راتوں کو جگائے گی

جب کان تمہارے اِک آواز کو ترسیں گے
تم مجھ کو بلاؤ گی آواز نہ آئے گی

غم حد سے گزر جائے تو گوش بہ دل رکھنا
سالکؔ کی صدا تم کو اک نغمہ سنائے گی

جام لیے ہاتھ میں عشق میں بسمل ہوئے
رقص کناں تھے کہ ہم عازمِ مقتل ہوئے

دوست نوازی نہیں یار بھی راضی نہیں
چھوڑ کے یہ شہر ہم ساکنِ جنگل ہوئے

ہم تو اشاروں پہ ہی آپ کے چلتے رہے
حکم سے حاضر ہوئے آنکھ سے اوجھل ہوئے

آپ ہوئے خوش تو ہم ہاتھ کی مہندی ہوئے
آپ کبھی روئے تو آنکھ کا کاجل ہوئے

آپ نے جلوت کہی آپ کا سایہ بنے
مانگی جو خلوت کبھی دھوپ میں بادل ہوئے

پیار کی چنگاری اک دل میں اُٹھے آج پھر
بیت گئی مدتیں سینے میں ہلچل ہوئے

○

دل نہیں دینا انہیں توڑ دیا کرتے ہیں
پیار کے بدلے یہ اندوہ دیا کرتے ہیں

گرچہ مصروف ہیں دنیا کے جھمیلوں میں مگر
جب بھی فرصت ملے تو زخم سیا کرتے ہیں

دن تو بیکار تکلف میں گزر جاتا ہے
شب کی تاریکی میں ہم اشک پیا کرتے ہیں

دیکھنے میں یہی لگتا ہے کہ زندہ ہیں ہم
دوستو پر یہ نہ سمجھو کہ جیا کرتے ہیں

میرا غصہ تو فقط اُن کے لیے ہے یارو
دوستوں کو تو سرآنکھوں پہ لیا کرتے ہیں

ہم کو تو شوق نہیں پینے کا لیکن پھر بھی
جب بہت یاد ستائے تو پیا کرتے ہیں

لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں تجھے اب سالکؔ
خود سے دیوانے ہی تقریر کیا کرتے ہیں

○

ہوئے آگاہ جب وہ مفلسی سے
تو واپس ہو گئے وہ خامشی سے

کیا ہے یار نے جب سے گلہ تو
ہوا جاتا ہے پاگل وہ خوشی سے

ملن کو آئے ہیں وہ آخری بار
کھڑا ہوں دیکھتا اب بے بسی سے

اُسے یہ بے نیازی راس آئی
ہوا وہ حسن دونا سادگی سے

کسی کی جاں گئی اُن کی چہل سے
ملا کیا آپ کو اس دل لگی سے

اجل کا منتظر رہتا ہے سالکؔ
نہیں کچھ چاہیے اب زندگی سے

○

قسم لے لو نہ کوئی اور آرزو کرتے
لبِ خموش سے ہم اُن سے گفتگو کرتے

گزر گئی جو قیامت دلِ پریشاں پر
بیان اُس کا سماں اُن کے روبرو کرتے

وہ دشتِ زیست میں کوئی سراب سا چہرہ
جو آس ہوتی تو پانے کی جستجو کرتے

بدل کے بھیس فقیروں کا یوں نکلتے ہم
ترا ہی ذکر ہر اِک آن کو بہ کو کرتے

تلاشِ یار میں سالکؔ پھرے ہے آوارہ
رہِ طلب میں جگر کو لہو لہو کرتے

یوں تو دل کا معاملہ نہ کریں
گوشۂ چشم ایسے وا نہ کریں

دل کی ہر بات جان لیتے ہو
میری آنکھوں کو یوں پڑھا نہ کریں

کہہ دو آنکھوں سے سب نہیں لائق
ہر کسی کے لیے بچھا نہ کریں

کوئی ان واعظوں کو سمجھا دے
وقت بے وقت تو کتھا نہ کریں

روز پڑ جائے اِک نظر تو یوں
نظریں سوئے فلک اُٹھا نہ کریں

بہہ گیا ایک لہر میں سالکؔ
سیلِ آب اس طرح چڑھا نہ کریں

○

ہُوا جو خشک ایک زخم کِھل اُٹھے ہزار اور
بہار میں غمِ نہانی پر چڑھا نکھار اور

تمہاری اس شراب میں مزا نہیں ہے ساقیا
پلائی تھی نگاہ سے جو اس کا تھا خمار اور

وہ تیر پھینکتے رہے ہدف ہماری جان تھا
نگاہِ گرم کیا کرے گی دل کو اب فگار اور

قریبِ مرگ کو ستانے سے ملے گا کیا مزا
کہو اسے کرے تلاش اب کوئی شکار اور

اچاٹ ہو گیا ہے جی تمہاری بستی سے مرا
کریں گے اب تلاش ہم نیا کوئی دیار اور

○

شکوہ سنجی سے طبیعت تو بہل جائے گی
البتہ بات بہت دور نکل جائے گی

ہم کو عادت نہیں ساغر سے کبھی پینے کی
گر نظر سے پی لوں تو شام مچل جائے گی

مست آنکھوں سے اگر یونہی مجھے دیکھو گے
کیف میں بات کوئی منہ سے پھسل جائے گی

آخری سانس ہے دیدار اگر ہو جائے
ساعتِ مرگ بھی کچھ دیر کو ٹل جائے گی

رات یہ سوچ کے مَیں زخمِ جگر سیتا ہوں
کالی یہ رات سہی انت کو ڈھل جائے گی

وصلِ محبوب لکیروں میں نہیں تھا سالکؔ
کیوں ہو پھر آس کہ تقدیر بدل جائے گی

○

درمیاں دوستوں کے فرد رہا
ہجر کے ڈر سے رنگ زرد رہا

چھا گئی شام کی سیاہی مگر
ایک گھر کا چراغ سرد رہا

تیر مژگاں کے وہ چلاتے رہے
میں بھی آمادۂ نبرد رہا

پوچھتے اُس سے ہو گھرانے کا
زندگی بھر جو رہ نورد رہا

جب تلک زندگی نے ساتھ دیا
میرے سینے میں ایک درد رہا

یار سے جب بچھڑ گیا سالکؔ
عمر ساری وہ دشت گرد رہا

○

دیکھ کہ آ رہا ہے وہ اِک شبِ غم گزار کے
چالِ شکستہ سے لگے رزمِ حیات ہار کے

تم کو نہیں ہے اعتبار میری زبان پر اگر
آؤ کہ روبرو کروں زخم دلِ فگار کے

ٹھیرو یہیں یہ شام تم تازہ کرو وہ یاد تم
قصّے سناؤ تم ہمیں اُجڑے ہوئے دیار کے

زلفِ رسا کا یہ اسیر ڈھونڈے ہے گوشۂ قفس
آئے سمن نہیں ابھی آپ کے جاں نثار کے

زخمِ کہن ہرے ہوئے بڑھ گئیں دل کی شورشیں
شہرِ حبیب میں پھر آج جھونکے چلے بہار کے

○

دید کی حسرت بھی ہے خواہشِ آغوش بھی
دل میں عیاں بھی ہے تو آنکھ سے روپوش بھی

جان سے بھی پیارے کو ڈھونڈتی ہے ہر طرف
آہِ جگر پُرمحن آتشِ خاموش بھی

جلوہ نما جب ہوئے ہم بھی گئے دید کو
واں تھے خردمند بھی مست بھی مدہوش بھی

بزمِ عنایت میں ہیں چشمِ برہ یک نظر
دیدۂ بیدار بھی دیدۂ مے نوش بھی

موعظتِ پندگو تھا نہیں کل بے ثمر
گر تھے گراں گوش تو تھے ہمہ تن گوش بھی

عشق نے رُسوا کیا ہو گئے بدنام ہم
ہم ہی ستم گر ہوئے ہم ہی ستم کوش بھی

نام مرا ہی لیا راز جب افشا ہوا
کچھ نے تو تعریف کی کچھ نے دیا دوش بھی

○

پھر پھول کھل اُٹھیں گے بنجر سی وادیوں کے
سنگم پہ ہم ملیں گے پھر اِن ہی راستوں کے

تم دوسرے کنارے جاتے ہو گر تو پھر بھی
ہم آ ملیں گے تم سے اُس پار فاصلوں کے

انکار تو نہیں ہے اِن کی اتھاہ کا پر
کیوں چومتے ہیں ساگر پاپوش ساحلوں کے

نقشِ قدم ہوئے گم بانگِ جرس ہوئی کیا
اب ڈھونڈتا پھرے ہوں آثار قافلوں کے

ظلمت کدہ میں میرے آئے یہاں کوئی کیوں
بہتے ہیں روز ہی یاں سیلاب آنسوؤں کے

اِک آس کے سہارے بس جی رہا ہے سالکؔ
بدلیں گے پھر کبھی تو موسم اداسیوں کے

○

ہے گلاب سی رنگت اقتضا نزاکت کا
اُٹھتی سی جوانی وہ فتنہ ہے قیامت کا

سنتے ہیں نگاہیں وہ آرپار ہوتی ہیں
دل نہ ہار دینا تم نسخہ ہے ہلاکت کا

تم کو جو ملیں گے ہیں دل کی ماننے والے
دل کی گر نہیں مانیں خطرہ ہے بغاوت کا

اُن کے اِک تبسم سے ہم نہ ہوش کھوتے گر
دیکھ لیتے آنکھوں میں عکس اِک شرارت کا

دل سے وعدہ آنکھوں کا پھر نہ دیکھنے کا تھا
پر خیال آتا ہے چھوٹی سی خیانت کا

دل یہ کتنا پاگل ہے پھر یہ جھوم اُٹھتا ہے
سوچتا ہوں جب بھی میں آپ کی قرابت کا

مانتا نہیں سالکؔ ہلکے پھلکے جذبوں کو
دشمنی میں حدّت ہو پیار ہو تو شدّت کا

○

حسنِ بے نیاز کی دلکشی تو دیکھیے
پھر مریضِ عشق کی بے بسی تو دیکھیے

ہونٹ دیکھ کر کلی بے حواس جو ہوئی
اُس گلاب کی ذرا بے کلی تو دیکھیے

جن کو پیار ہی نہیں آج تک ہُوا کبھی
اُن کے دل کی آپ بھی مفلسی تو دیکھیے

دم نکل گیا مگر آنکھ جاگتی رہی
اک جھلک کے واسطے تشنگی تو دیکھیے

حسنِ لازوال پر گر نہیں نظر پڑی
ایک بار چشم وہ نرگسی تو دیکھیے

ہے خبر کہ آئیں گے سیرِ باغ کو صنم
باغ کے گلوں میں آج کھلبلی تو دیکھیے

شہر سے بدر ہوئے جرمِ عاشقی میں ہم
پاسبانِ حسن کی منصفی تو دیکھیے

اُس کو دیکھا پیار کرنا کتنا آساں ہو گیا
مدتوں کے بعد میں پابندِ مژگاں ہو گیا

میں رہائی کے لیے سُوئے عدم جاتا مگر
یہ بدن میرے لیے اِک کنجِ زنداں ہو گیا

سامنے سب کے ذرا دیکھو تو اس کی جرأتیں
جھانک کر دل میں مرے وہ خود سے مہماں ہوگیا

جب خبر پھیلی کہ نکلیں گے چھل قدمی کو وہ
شہر سارا کوچۂ جاں کو خراماں ہوگیا

کیسے چھپ سکتی ہے شدّت پہلے پہلے پیار کی
ہم چھپاتے ہی رہے اور شوق عریاں ہو گیا

ہر گلی کوچے میں کردو یہ منادی صبح و شام
سب چلو مقتل کہ خوں سالکؔ کا ارزاں ہو گیا

○

زیست ہے بے وفا مگر حسن پہ اپنے ناز ہے
موت وفا پرست ہے شرف سے بے نیاز ہے

موت گلے لگاتی ہے زندگی منہ چڑاتی ہے
موت ہے اصل مدعا زیست فقط مجاز ہے

آج کمر خمیدہ ہے بوجھِ گناہ سے مری
زادِ سفر نہیں ہے ساتھ راہ بہت دراز ہے

یاد کرو اُسے ہی تم اس کے سوا بھلا دو سب
اپنے نفس کو مار دو بس کہ یہی نماز ہے

اس کے سوا ہے زیست کیا رنج کبھی تو سکھ کبھی
آج خوشی تو کل غمی سوز کبھی یہ ساز ہے

دل میں چھپا ہے کیا مرے کوئی نہیں یہ جانتا
سوچ رہا تھا کیا کبھی اب بھی نہاں وہ راز ہے

○

جن کے آزار سے ہم تارکِ استھان ہوئے
سنتے ہیں بعدِ جفا سخت پشیمان ہوئے

زلف چہرے پہ سجائے وہ گئے باغ میں جب
دیکھ کر حسن سبھی پھول غزلخوان ہوئے

فاترالعقل سمجھتے ہیں وہی آج مجھے
جن کی مہجوری میں ہم چاک گریبان ہوئے

کیا کروں زخمِ جگر مانگے ہے سوزش پھر سے
جب کیا تنگ بہت وقفِ نمکدان ہوئے

اجنبیت ہی ملی شہر کے لوگوں میں ہمیں
آپ کے شہر میں جب آپ کے مہمان ہوئے

جھانکو تو زندگی کی انگڑائیوں کے پیچھے
تنہائیاں کھڑی ہیں تنہائیوں کے پیچھے

ٹھیرے تھے عاشقی کے مجرم عدالتوں میں
چھپتے رہے مگر ہم رسوائیوں کے پیچھے

جھوٹی ہے وہ کہانی تم کو جو ہے سنائی
سچائیاں چھپی ہیں سچائیوں کے پیچھے

آ تا نظر نہیں جو ہے وہ فریبِ دنیا
ماتم کے ہیں جلوس اِن شہنائیوں کے پیچھے

گر جاننا ہے تم کو تو سوچتا وہی ہوں
جو سوچتا تھا یوسف اُن بھائیوں کے پیچھے

یاروں کی بے وفائی شکوہ رہا تمہارا
اک باوفا بھی ہے پر ہرجائیوں کے پیچھے

سالکؔ کو ہوش آیا تو دیر ہو چکی تھی
جیون گزر گیا تھا پرچھائیوں کے پیچھے

ہاتھوں کی لکیروں میں اِک نام لکھا ہوتا
گر میرے مقدّر میں گلفام لکھا ہوتا

جو کھول دیے ہوتے اُس نے وہاں بال اپنے
تو ہم نے سحر کو بھی اِک شام لکھا ہوتا

بازارِ غلاماں میں جو مجھ پہ نظر پڑتی
پیشانی پہ بندہ اِک بے دام لکھا ہوتا

یہ تیری کہاں قسمت چوکھٹ پہ تری ہر دن
گر نام ترے اُس کا پیغام لکھا ہوتا

لکھتے ہی نہیں وہ خط لکھتے بھی اگر وہ اک
تو نام مرا خط میں بدنام لکھا ہوتا

اب اُن کی جفا ہے اور ہے سالکِؔ بے مایہ
اے کاش وفاؤں کا انجام لکھا ہوتا

حال نہ پوچھ کچھ مرا حال نہیں سنانے کا
عمر گزار دی یہاں وقت ہُوا ہے جانے کا

پیار کا بحرِ بے کنار دل میں جو تھا لُٹا دیا
مجھ پہ رہا ہے اب کوئی قرض نہیں زمانے کا

جس کو بھٹکنے کا ہو شوق ڈھونڈے کہاں اسے کوئی
کون ہے جو بتا سکے اُس کے کسی ٹھکانے کا

جان لٹانے والے کو آپ غبی سمجھتے ہیں
آپ کو تو پتا نہیں کیا ہے مزا لٹانے کا

راضی اسے نہ کر سکا مجھ سے خفا ہوا وہ جب
آتا نہیں تھا جب مجھے ڈھنگ اسے منانے کا

جھوٹ عیاں ہے چہرے سے آپ نہ سر کھپایئے
پہلے سلیقہ سیکھیے آپ ابھی بہانے کا

وعدہ ہے آپ سے مرا آؤں گا میکدے کو میں
قصد کریں نظر سے گر آپ مجھے پلانے کا

○

گر بہار آئی نہیں سوزِ تمنّا ہی سہی
میری قسمت میں لکھا ہے تو تڑپنا ہی سہی

زندگی میں عشق کرتے ہیں سبھی اک بار خواہ
عشق کا مقصود صحرا میں بھٹکنا ہی سہی

کہتے ہیں رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے
ہے اگر ایسا تو اشکوں کا برسنا ہی سہی

جھوٹ بولوں گا نہیں ہرگز کہا منصور نے
راستی پر رہنا سُولی پر گزرنا ہی سہی

زندگی کیسے گزاروں گا بُھلا کر مَیں انہیں
نزہتِ خاطر سے آنکھوں کا چھلکنا ہی سہی

گر نہیں ان کی رفاقت ہی مری قسمت میں تو
فاصلے سے دیکھ کر دل کا دھڑکنا ہی سہی

بے سبب چھیڑ نہ دیوانے کو
مست ہی رہنے دو مستانے کو

راہ مسجد کی لے اے زاہدِ خشک
یہ سڑک جاتی ہے میخانے کو

سایہ جب دیکھا شجر کا ہم نے
ایک پل رک گئے سستانے کو

داستاں اپنی سناتا تو ہوں
سن کے رونا نہیں افسانے کو

یاد آئی ہے صنم کی یارو
اب مجھے جانے دو بتخانے کو

دوست جب آنکھ بچائیں سالکؔ
ڈھونڈ لینا کسی ویرانے کو

ایک لڑکی پاگل سی بدحواس رہتی ہے
پیار کرتی ہے لیکن ناشناس رہتی ہے

رمز آشنا ہوتا میں اگر سمجھ لیتا
چاہتی ہے جانے کیا بے قیاس رہتی ہے

ہے سراب گھر اُس کا کالے کوس در اُس کا
پھر بھی ایسے لگتا ہے آس پاس رہتی ہے

آ اگر نہیں سکتے خواب میں ہی آ جاؤ
تم کو دیکھنے کی بس ایک پیاس رہتی ہے

کس کو یاد کرتی ہے کون تجھ سے بچھڑا ہے
شامِ غم بتا مجھ کو کیوں اُداس رہتی ہے

جانتا ہے سالکؔ یہ تُو نہیں نصیبوں میں
جانے کیوں اسے پھر بھی ایک آس رہتی ہے

○

بے نیازی دیکھتا ہوں بے قراری کیا ہوئی
اُن سے پوچھو تو ذرا وہ رسمِ یاری کیا ہوئی

جب سرِ بازار دیکھیں تو کریں پہلوتہی
پھر بتائیں آپ ہی وہ وضعداری کیا ہوئی

مسکرا دیتے ہیں ہم کو دیکھ کر وہ آج کل
غم گساری کیا ہوئی وہ اشکباری کیا ہوئی

عہد و پیماں جو کیے تھے کچھ یہاں تو کچھ وہاں
ساتھ رہنے کی قسم تھی جو تمہاری کیا ہوئی

ہجر کی وہ رات تھی یا تھی قیامت کی گھڑی
کرب میں وہ رات جو ہم نے گزاری کیا ہوئی

کند سی تلوار لے کے آئے ہیں مقتل میں وہ
تیغ جو تھی آپ کی اک تیزدھاری کیا ہوئی

اجنبی سی اِک نظر سے دیکھتے ہیں آج وہ
جو ہمارے درمیاں تھی جانکاری کیا ہوئی

ہے طبیعت آپ کی ناساز سی کچھ آج کیوں
وہ نظر سالکؔ نے جو اُن کی اُتاری کیا ہوئی

دیکھ کافر کے لیے ماننا آسان ہُوا
حسن دیکھا تو مصوّر پہ بھی ایمان ہُوا

آپ کو دیکھ کے آنکھوں نے تراوت پائی
پھر بتائیں مجھے کیا آپ کا نقصان ہُوا

اُس ستمگر کو خبر بھی نہ ہوئی اُس کی کبھی
دیکھ کر جس کو مرے سینے میں طوفان ہُوا

لینے کیا آئے ہو اب مدتوں کے بعد یہاں
ڈھونڈتے ہو جو چمن کب سے بیابان ہُوا

دل نے اک گُونہ خوشی پائی یہ سن کر یارو
پاکے مفلس مجھے وہ سخت پریشان ہُوا

ایک ہی شخص سے تھی شہر کی رونق سالکؔ
کیا گیا وہ کہ بھرا شہر ہی سنسان ہُوا

○

باسی بہار کے تھے خزاؤں میں جل گئے
وہ داستانِ غم سنی تو دل پگھل گئے

ویران سا پڑا ہے زمانوں سے گھر مرا
باسی تھے جو یہاں کے کبھی کے نکل گئے

آوارہ گرد سے کہو آجائے گھر وہ اب
سورج ہُوا غروب جو سائے تھے ڈھل گئے

صحرانورد ہو گئے جب یاد آئی تو
خونِ جگر سے میرے کئی دیپ جل گئے

رہنا یہاں ہے کس نے ہمیشہ کے واسطے
آئے تھے کل یہاں جو سبھی آج کل گئے

دل کو چھپا کے رکھنا بھی آسان تو نہیں
جب دل دیا نہ ہم کو تو ہم بھی مچل گئے

آنے پہ اُن کے میں نے نگاہیں بچھائی تھیں
پاؤں تلے مگر وہ نگاہیں مسل گئے

کس کس سے تُو کرے گا شکایت جفاؤں کی
تھے دوست جو کبھی وہی آنکھیں بدل گئے

اپنے پیچھے وہ خزاں چھوڑ گیا
پیار کے دیپ فشاں چھوڑ گیا

رہنے کے اہل نہ پایا جب تو
بت شکن ارضِ بتاں چھوڑ گیا

ہر جگہ اس کی نگارش ہے لکھی
ہر قدم پر وہ نشاں چھوڑ گیا

پیار کی آگ لگا دی تو وہ خود
بجھ گیا اور دھواں چھوڑ گیا

سائباں ایک جو ہوتا تھا یہاں
اڑ گیا خالی مکاں چھوڑ گیا

رہ نہ سکتا تھا جو سالکؔ کے بِنا
اس کو تنہا وہ کہاں چھوڑ گیا

○

گھر وہ میرا مسکن تھا راہ رو بے منزل ہوں
میرے پیچھے مت آؤ خود ہی اپنی مشکل ہوں

بات تھی ذرا سی اور عمر بھر کی ناراضی
دوش دوں کسی کو کیوں خود ہی اپنا قاتل ہوں

پہنایا نیا جوڑا قتل کرنے سے پہلے
ہوں اگرچہ مقتل میں جانو جانِ محفل ہوں

بے بسی جو ٹپکے ہے وقتِ مرگ آنکھوں سے
وقتِ جاں کنی کی میں اک نگاہِ بسمل ہوں

قطرہ ہوں سمندر میں ذرّہ ایک صحرا کا
میں نہیں حقیقت میں شعبدہ ہوں باطل ہوں

تشنگی بجھی ہے کب پانیوں سے ساحل کی
میں بھی ایک ایسا ہی تشنہ کام ساحل ہوں

○

غرورِ حسن ہو کیوں جب یہ لازوال نہیں
ہزار حیلے کرو ہو گا یہ بحال نہیں

تمہیں ہے آسِ مداوائے رنجِ ہجر ابھی
غمِ فراق سا لیکن کوئی وبال نہیں

گئے تھے بزم میں لے کر نگاہِ شوق مگر
نصیب میں تھی کوئی صورتِ وصال نہیں

کہا یہ بلبلِ بے تاب کو کہ عشق سہی
مگر ہے اس میں رخِ یار کا جمال نہیں

کبھی جو خواہشِ دیدارِ یار کی ہم نے
تو بولے ہنس کے اچھا مگر خیال نہیں

جو قبلِ عرضِ گزارش امانِ جاں چاہی
تو بولے جان کا لینا مجھے محال نہیں

○

وہ شفق کی دلکشی رخسار میں
الجھنیں وہ کاکلِ خمدار میں

ہو برا گستاخ نظروں کا مری
کر دیا رُسوا مجھے سنسار میں

کیا کروں آنکھوں پہ تو قدرت نہیں
کیسے روکوں پیار کے اظہار میں

کون لے گا اب دلِ افگار کو
ایک گاہک بھی نہیں بازار میں

عاشقی کی راہ آساں تو نہیں
راہزن بھی ہیں رہِ پُرخار میں

گو کہ اِک مدّت ہوئی دیکھے ہوئے
اب تلک اک روپ ہے پندار میں

جانتا ہوں درد کی لذّت کو میں
چھید چھوڑے ہیں کفِ بیزار میں

یاد آؤں گا بہت جانے کے بعد
کھونا آساں تو نہیں پانے کے بعد

ہے ازل سے اس اکھاڑے کا رواج
سب نے جانا ہے بھجن گانے کے بعد

کرنے رخصت مرنے پر آئے مرے
سونگھتے ہیں خوشبو مرجھانے کے بعد

ان کی محفل میں لگا پھر ایک اور
تیرِ مژگاں ہوش میں آنے کے بعد

جانتا ہوں میں کہ پچھتایا نہیں
وہ کبھی ظلم و ستم ڈھانے کے بعد

اُس نڈر کے چہرے پر چھائی تھی اک
مسکراہٹ زخمِ دل کھانے کے بعد

پوچھ سالکؔ سے کہ اُن کی بزم میں
کیوں گیا پھر زخم سہلانے کے بعد

○

یار کے بِن جینا آساں تو نہیں
دوست ہیں سب کوئی پُرساں تو نہیں

تیرا جانا حشر سے کم تو نہ تھا
درد ایسا جس کا درماں تو نہیں

میرے خوں میں دوڑتا ہے نام اِک
ہے نہیں جس میں وہ شریاں تو نہیں

چھوڑنے سے پہلے یہ تو سوچتے
اب ملن کا کوئی امکاں تو نہیں

میرے دل میں اب بھی رہتا ہے کوئی
دور سے لگتا ہے ویراں تو نہیں

زندگانی کیسی بے مقصد ہوئی
زندگی کا کوئی عنواں تو نہیں

ہم تمہارے بِن گزاریں زندگی
تھا کوئی تم سے یہ پیماں تو نہیں

دل کے ٹکڑے ڈھونڈتے ہیں وہ یہاں
ہے کسی کو اِن کی پہچاں تو نہیں

○

گُل چمن کے ہو گئے میرے رقیب
اور ستم دیکھو کہ بلبل ہے نقیب

بیر رکھتے ہیں وہ مجھ سے جانے کیوں
بس میں ہوتا تو مجھے دیتے صلیب

میرے دردوں کا کوئی چارہ نہیں
کیوں بلاتے ہو یہاں یارو طبیب

منزلیں شرمندۂ تعبیر ہیں
مر گیا رستے میں ہی کوئی غریب

یاد آتا ہے سوا پھر آج وہ
آج پھر کچھ دل کی حالت ہے عجیب

ہو اگر فرعون کم ہم بھی نہیں
اژدھا بن جائے پھینکیں جو جریب

وہ قدم رنجہ ہوں میرے گھر کبھی
ہے نہیں ایسا تو سالکؔ کا نصیب

○

بچپن گزر گیا ہے جوانی بھی ڈھل گئی
بس دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی

دو راستوں سے ایک کے چننے کو جب کہا
خواہش مری ہمیشہ بطرفِ اجل گئی

مدّت کے بعد دیکھ کے حیراں ہوئی مگر
سب سے نظر بچا کے وہ پھر سے سنبھل گئی

یہ جھونپڑی کی شمع ہے مانندِ دل مرے
جلتی رہی جو صبح تلک پھر پگھل گئی

کب سے ہے پیار تجھ سے مجھے جانتا نہیں
پر غور جب کیا تو نگہ تا ازل گئی

میرا نہیں قصور نہ الزام دو مجھے
آنکھوں سے پی رہا تھا کہ نیّت مچل گئی

پھر سانس اک سکون کا آیا ہوگا اسے
صیّاد کے جو ہاتھ سے چڑیا نکل گئی

یوں ہی نہ جانے کیوں پھر دل پر غبار آیا
جب رو لیا ذرا تو اس کو قرار آیا

پیتا تو روز ہوں پر نظروں سے آج پی جب
مدّت کے بعد ساقی پھر سے خمار آیا

جب آنکھ سے ملی آنکھ وابستہ ہو گیا دل
صیّاد لے قفس میں ازخود شکار آیا

منّت کشی کسی کی جو مانتا نہیں تھا
دیکھو مگر وہ در پر پھر شرمسار آیا

میں جان تو گیا تھا منزل قریب ہے اب
کل راہ میں مری جب اک خارزار آیا

شدّت کی دھوپ تھی اس صحرائے زندگی میں
اک بھی شجر نہ یارو پر سایہ دار آیا

در سے ہی تم اسے پھر ٹھکرا کہیں نہ دینا
کس سے نہ جانے پھر وہ لے کر اُدھار آیا

جو مانتے نہیں تھے جاں سے گزر گیا جب
سالکؔ کی مخلصی کا تب اعتبار آیا